R. No. 2186/57 Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت
۲۲-۱۵-۸-۱

ٹیلی فون ـ ۲۹
قیمت تین روپے سالانہ
فی پرچہ دس نئے پیسے

جلد ۲۳ ـ شمارہ ۴۴ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۲۲ ـ نومبر ۱۹۶۴ء

اداریہ

انجمن کا نیا قدم

انجمن نے اردو کی جو تحریک چلائی ہے اس کے صحت مند خطوط اب واضح ہو رہے ہیں۔ اردو دوست اب تک حکومت کی طرف نظر جمائے رہے تھے اور شکوہ شکایت، غم و غصہ کا رخ بھی حکومت کی طرف رہا تھا، لیکن اب انجمن اپنے مطالبات پر مضبوطی سے قائم رہنے کے ساتھ عوام سے اپنے رشتے کو اور مضبوط کر رہی ہے اور اپنی شاخوں اور ان کے ذریعے سے اردو دوستوں کو خود کچھ کرنے کی طرف مائل کر رہی ہے۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جس تحریک کے پیچھے عقیدے کی پختگی، عمل کی طاقت اور کردار کی استواری نہیں ہوتی، اس کا نوٹس کم لیا جاتا ہے۔ ہاں جس کے پیچھے ایک پختہ عقیدہ، واضح شعور اور اس شعور کو ظاہر کرنے کے لیے ایک وسیع حلقہ ہوتا ہے، اس کی بات سنی بھی جاتی ہے اور مانی بھی جاتی ہے۔ اس لیے اگست میں مجلس عام نے انجمن کی تنظیم کو اور مضبوط کرنے کے لیے کارروائی شروع کر دی تھی اور ایک مفصل نوٹ پر غور کر کے ایک نمائندہ کمیٹی بنا دی تھی، جس کے سامنے ریاستی شاخوں کی تجاویز بھی تھیں، جے پور کی کانفرنس میں نمائندوں نے قدرتی طور پر یہ رائے دی کہ ریاستی شاخوں کے نمائندے اس کمیٹی میں شریک ہوں اور انجمن کے اگلے قدم پر سوچ بچار کے ساتھ انجمن کے دستور میں ضروری ترمیموں پر بھی غور کریں۔ اس کمیٹی کا جلسہ ۲ نومبر ۱۹۶۴ء کو علی گڑھ میں ہوا جس میں علاوہ کمیٹی کے ممبروں کے پنجاب، اتر پردیش، بہار، راجستھان، مدھیہ پردیش، گجرات اور دہلی سے نمائندے شریک ہوئے۔ تمام مسائل پر غور کرنے کے بعد یہ طے پایا کہ انجمن کے ابتدائی ممبر بڑی تعداد میں بنائے جائیں جن کی فیس ممبری صرف چار آنے سالانہ ہو۔ یہ ممبر ایک مقررہ تعداد کے مطابق ضلع یا شہر کی کونسل بنائیں گے اور ان کی ایک مقررہ تعداد ریاستی شاخ کی کونسل بنائے گی۔ اس طرح انجمن کی عوامی بنیاد اور مضبوط ہو جائے گی اور شاخوں کی تنظیم بھی بہتر ہوگی۔ مرکز میں سب سے اہم تجویز یہ ہے کہ ہر ریاستی شاخ سے ایک نمائندہ مجلس عام میں لیا جائے گا۔ ان تجاویز پر عنقریب مجلس عام غور کرے گی اور اگلے سال جلد سے جلد انجمن کی نئی تنظیم وجود میں آجائے گی۔ اس دوران میں ہم کانفرنس کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جد و جہد کرتے رہیں گے اور شاخوں کی تنظیم کے لیے ایک نائب معتمد کی زیر نگرانی مناسب عملہ بھی ہم پہنچائیں گے۔ اس وقت سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ تمام اردو دوست پچھلے اختلافات کو بھول کر قومی اور جمہوری نقطۂ نظر سے اردو تحریک کو مضبوط بنانے میں لگ جائیں۔ اردو کی تحریک میں ہر مذہب و ملت اور ہر سیاسی خیال کے لوگ بڑی تعداد میں شریک ہوں۔ تعمیری طریقۂ کار کو اپنایا جائے۔ شاخیں اپنے ذمے خاص خاص کام لیں اور مرکز کل ہند تحریک کو چلانے کے علاوہ ان کاموں کے سلسلے میں مناسب مدد اور مشورہ دے۔ آج کل کچھ حلقوں میں جو بیزاری یا طنز و تعریض کی لہر نظر آتی ہے وہ در اصل

اس شمارے میں

ایک قسم کا فرار ہے۔ کام کرنے والے نہ مایوس ہوتے ہیں نہ بد دل۔ ان سے اگر غلطیاں ہوتی ہیں اور کسی سے نہیں ہوتیں تو ان کی اصلاح کرتے ہیں مگر اپنا وقت اعتراضات کے جواب دینے میں ضایع نہیں کرتے۔ پھر وہ سب کاموں کو ایک ساتھ نہیں اٹھاتے بلکہ اہمیت کے لحاظ سے ان پر وقت اور توجہ صرف کرتے ہیں۔ اس طرح کام آگے بڑھتا ہے اور اس طرح ہم اپنے کام کو آگے بڑھانا اور اپنی منزل پر پہنچنا چاہتے ہیں۔ ہمیں اپنے وطن پر، اپنی زبان پر اور اپنے کارکنوں پر بھروسہ ہے اس لیے ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ ان خطوط پر چل کر ہم اپنی منزل کو جالیں گے اور اردو زبان و ادب کے پھلنے پھولنے اور ترقی کرنے کے لیے ایک وسیع میدان بنالیں گے۔

برہان پور میں کل ہند مشاعرہ

خلیق برہانپوری کی ادبی خدمات کے سلسلے میں ۹ر نومبر ۱۹۶۴ء کو دس بجے جنتا لائبریری میں ایک مشاورتی میٹنگ حضرت محمود درانی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ جس میں یہ طے پایا کہ برہانپور کے مایۂ ناز شاعر خلیق برہانپوری کی ادبی خدمات کے پیش نظر ان کا مجموعۂ کلام شایع کیا جائے اور اس سلسلے میں ایک کل ہند مشاعرہ ٹکٹ سے منعقد کیا جائے یہ مشاعرہ دسمبر کے آخر ہفتہ میں ہوگا۔ حاضرین نے متفقہ طور پر ایک مستقل کمیٹی "بزم خلیق" تشکیل دی جس کے مندرجہ ذیل عہدیداران منتخب کیے گئے:۔

صدر: محمود درانی　　　نائب صدر: شفیق زاہد

خازن: شباب مظہر　　　سکریٹری: اقبال نصیب

پروپگنڈا سکریٹری:۔ ارشد امیدی

اقبال نصیب سکریٹری "بزم خلیق"

برہان پور میں احتشام صاحب کی آمد

برہان پور میں اردو سوسائٹی سیوا سدن کالج کی دعوت پر اردو ادب کے قابل نقاد، لائق احترام ادیب و شاعر محترم جناب پروفیسر سید احتشام حسین صاحب صدر شعبۂ اردو الٰہ آباد یونیورسٹی ۲۴ر نومبر کو صبح پنجاب میل سے برہانپور تشریف لارہے ہیں۔ آپ کے استقبال کے لیے کالج کے طلبا کے علاوہ انجمن ترقی اردو برہانپور، جنتا لائبریری برہانپور، بزم راغب برہانپور، بزم خلیق برہانپور، بزم امید برہانپور، انڈیا لائبریری برہانپور، خیر یقیہ لائبریری برہانپور، انجمن معین الطلبا برہانپور وغیرہ کے اراکین اور معزز حضرات ریلوے اسٹیشن پر موجود ہوں گے۔ احتشام صاحب جو یہاں کالج کے دو جلسوں میں تقریر فرمائیں گے۔ آپ کے اعزاز میں میونسپل گارڈن میں منتخب شعرا کا مشاعرہ منعقد ہوگا۔ جنتا لائبریری برہانپور ۲۴ر نومبر کو ۵ بجے ایک عصرانہ گاندھی بھون میں دیگی۔

اقبال نصیب

بہار ریاستی انجمن کا جلسہ

بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی کونسل کی ایک نہایت اہم نشست انجمن اسلامیہ ہال میں زیر صدارت جناب نثار احمد خاں ایڈوکیٹ صدر انجمن، کل ۲ بجے دن میں منعقد ہوئی۔ کونسل کی نشست میں پورنیہ، مونگیر، بھاگلپور، سنتھال پرگنہ، چھپرہ، مظفر پور وغیرہ مختلف اضلاع کے نمائندے شریک تھے۔ اردو کے تحفظ اور بقا اور انجمن کے سبھی امور سے متعلق کونسل میں مختلف مسائل زیر بحث آئے۔ طے پایا کہ انجمن کی ممبر سازی کی آخری تاریخ ۳۱ دسمبر ۱۹۶۴ء رکھی جائے۔ فروری ۱۹۶۵ء تک تمام شاخوں کے لیے انتخاب ہو جائیں اور ۱۵ مارچ ۱۹۶۵ء کے اندر بہار کے کسی اہم شہر میں ریاستی اردو کانفرنس کا انعقاد ہو جس میں انجمن کے عہدیداران کے انتخابات بھی ہو جائیں گے۔ اردو ابتدائی تعلیم کے متعلق حکومت اور دوستوں کی سرد مہری پر غور و فکر کے بعد طے پایا کہ ابتدائی تعلیمی کونسل کے گذشتہ فیصلوں کے مطابق بلا تاخیر کاموں کو آگے بڑھایا جائے اور دفتری کام اور دورے شروع کر دئے جائیں۔ اس سلسلہ میں ایک آفس انچارج اور آرگنائزنگ سکریٹری کی تقرری بھی ضروری قرار دی گئی۔ بالاتفاق رائے طے پایا کہ تمام کاموں کو آگے بڑھانے اور ضروری اقدامات کے لیے سات افراد پر مشتمل ایک سب کمیٹی بنائی جائے یہ کمیٹی ابتدائی تعلیم اور تنظیم و ممبر سازی کے متعلق آئے دن کے کاموں کی نگرانی کرے گی۔ کمیٹی میں حسب ذیل حضرات ہوں گے۔ جناب نثار احمد خاں ایڈوکیٹ، جناب شاہ مشتاق احمد ایم۔ ایل۔ اے۔ جناب غلام سرور ایڈیٹر سنگم، شری رامائن سنگھ، جناب زوار حسین صاحب خزانچی پٹنہ یونیورسٹی، جناب شمس الہدیٰ استھانوی اور جناب مہتاب صدیقی جنرل سکریٹری۔ ایک دوسری تجویز کے ذریعہ طے پایا کہ انجمن کے وفد کا وزیر اعلیٰ بہار سے ملنے کا معاملہ جو عرصہ دراز سے کھٹائی میں پڑا ہوا ہے اور اب تک وزیر اعلیٰ موصوف نے جواب دینا گوارا نہ کیا ہے) اب اس میں مزید تاخیر نہیں ہونی چاہیے اس سلسلہ میں صدر انجمن کو کونسل نے مجاز کیا کہ وہ اس ہفتہ کے اندر وزیر اعلیٰ بہار کو خط لکھیں اور قطعی تاریخ اور وقت کا تعین کرائیں۔ اگر اس مہینہ کے اندر وفد کو وزیر اعلیٰ نے شرف ملاقات نہیں بخشا تو دسمبر میں مجلس عاملہ صورت حال پر غور کرے گی۔

اس جلسے میں شرکا کی بڑی تعداد موجود تھی۔

ڈاکٹر محمود الٰہی

غالب کا ایک شاگرد ــ محمد حسین محمود

غالب کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جنھوں نے شعر و ادب کی کوئی نمایاں خدمت انجام نہیں دی، ان کا نام محض اس لیے لیا جائے گا کہ وہ غالب کے شاگرد تھے، پھر بھی ان کے اکتسابات کا مطالعہ اس لحاظ سے مفید ثابت ہو سکتا ہے کہ ان سے غالب کی شخصیت اور ان کے فکر و فن کے بعض گوشوں پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ ان کے اسی طرح کے شاگردوں میں محمد حسین محمود دہلوی بھی ہیں جن کا ذکر جناب مالک رام نے اپنی وقیع کتاب "تلامذۂ غالب" (پہلی اشاعت) میں ان الفاظ میں کیا ہے:-

"ان کی ایک مثنوی تحفۂ محمود مطبوعہ موجود ہے۔ اسی کے خاتمے کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کنور سرجیت سنگھ صاحب بہادر اور جناب سردار بکرماں سنگھ صاحب سی۔ ایس۔ آئی اہلووالیہ رئیس جالندھر کی جائداد و ریاست کے ناظم تھے۔ یہ دونوں صاحبان کپورتھلہ ریاست کے حکمران مہاراجہ رندھیر سنگھ بہادر کے بھائی تھے۔

اس سے زیادہ محمود کے حالات معلوم نہیں ہو سکے، ایک غزل کے چند شعر درج ہیں۔

خون گھٹا، پیمانۂ جوش ستم یار گھٹا
تنگ گیروں ہو گئے دم خنجر خونخوار گھٹا
نطق میں ہے مرے، کیا فیض زبان منصور
دار مژگاں پہ انا الحق کا نہ اقرار گھٹا
یاد گیسو میں جو دل اپنا امنڈ کر آیا
بن گئی آہ بھی اک رشک شب تار گھٹا
صحن باراں میں جو ساقی نے دکھائیں آنکھیں
ہو گئی مے کے پیاسوں کی غمخوار گھٹا
داخل خلد ہوئے حضرت آدم محمود؛
پر شر و کینۂ ابلیس نہ زنہار گھٹا

[اکمل الاخبار ۲۴ ماہ اگست ۱۸۶۹ء]"

محمد حسین محمود کی دو اور تصنیفات "حلوائے بے دود" اور "محمود نامہ اردو"[1] میری نظر سے گزر چکی ہیں جن کے تعارف کے لیے یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں۔

"حلوائے بے دود" ۹۴ صفحات کی نثری کتاب ہے جو مطبع نول کشور میں چھپی تھی۔ اس کے سال اشاعت کا کوئی ذکر کتاب میں نہیں ہے۔ مصنف کی مندرجہ ذیل ابتدائی سطروں سے کتاب کا موضوع اور اس کی تصنیف کی غرض و غایت معلوم ہو جاتی ہے:-

"ذرہ بے نمود محمد حسین محمود حق شناسی کے علم اور ادراک کا طالب ننگ شاگردان غالب ناظرین صاحب نگاہ معنی آگاہ کی خدمت میں سلام کے بعد یہ پیام دیتا ہے کہ راقم کج مج زبان نہ فارسی کے ملکہ کا دیوان ہے نہ اردوئے معلی کی عدالت کا مسل خواں۔ نہ املا نگاری کے فن میں فائق ہے نہ انشا پردازی کے ہنر میں فائق۔ فقط فیضان شہرہ زبان خوش الحان کی بات چیت سننے کا شائق ہے لیکن ایک روز جو سرکار میں لڑکوں کی ادب آموزی کا ذکر آیا اور جناب فیض مآب خداوند نعمت سردار باوقار بکرماں سنگھ صاحب بہادر اہلووالیہ برادر والی ریاست کپورتھلہ ...... جن کی جیب خاص کے فیض سے گیارہ مدرسے شہر جالندھر میں رونق پذیر ہیں، اس خاکسار کی طرف متوجہ ہو کر یہ ارشاد فرمایا کہ آج کل اردو کی تعلیم کا نہایت چرچا ہے اور کل معاملات کی کارروائی کا اسی میں موقوف ہے چاہیے کہ کوئی نسخہ جدید عام مفید ایسا تصنیف ہو جس کا مضمون دلچسپ اور شریف و لطیف ہو۔

اگرچہ مؤلف بے خبر خود محتاج سیکھنے سلیقہ اور ہنر کا ہے مگر حکم کی تعمیل کے سبب آرزومند اس امر کا ہے کہ ایک چھوٹی سی کتاب لڑکوں کی نصیحت کے باب میں فارسی نسخوں سے انتخاب کر کے اس طرز پر لکھے جس کا مطلب اور مدعا آسانی کے ساتھ اردو پڑھنے والوں کے دلوں میں بیٹھے........"

دیباچہ کے بعد مصنف نے اردو زبان کی مقبولیت پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ کتاب ۲۲ عنوانات پر مشتمل ہے جن میں بعض یہ ہیں: علم کی فضیلت؛ نیک چلنی؛ خدمت والدین؛ دوست اور نادان دوست؛ مہمان کی تواضع؛ اولاد کی تربیت؛ شادی کا خرچ؛ حکیموں کے اقوال۔

کتاب نثر میں لکھی گئی ہے لیکن کہیں کہیں بات کو زیادہ موثر بنانے کے لیے اشعار بھی شامل کر لیے گئے ہیں جن میں غالب کے یہ دو شعر بھی ہیں:-

حسن فروغ شمع سخن دور ہے اسد   پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

[1] یہ دونوں کتابیں جامع مسجد، گورکھپور کے کتب خانے میں محفوظ تھیں مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ کتب خانہ اب آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں منتقل کر دیا گیا ہے۔

آبرو کیا خاک اس گل کی کہ گلشن میں نہیں
ہے گریباں ننگ پیراہن جو دامن میں نہیں

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسدؔ
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائے گا

آزادہ رو ہوں میں مرا مسلک ہے صلح کل
ہرگز کسی کے ساتھ عداوت نہیں مجھے

کتاب کے آخر میں لیکن "غلط نامہ" سے پہلے منشی محمد ظہیر الدین خاں کا یہ قطعہ ہے:

مہاراجہ بجرماسنگھ صاحب بہادر آخر نا مشق جیغز دد
بحکم او کتاب خوش بہ اردو رقم زد عاقبت محمود محمود

مجموعی طور پر حلوائے بے دود" کسی خاص ادبی اہمیت کی حامل نہیں، یہ ایک درسی ضرورت کے تحت لکھی گئی تھی اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے وہ ضرورت کس حد تک پوری ہوئی!

محمد حسین محمود کی دوسری کتاب "محمود نامۂ اردو" ہے جسے ایک طور پر ان کی غزلوں کا منتخب دیوان کہا جا سکتا ہے۔ ۱۶۰ صفحے کے اس دیوان کے سرورق پر یا اس کے آخر میں جو عبارت لکھی گئی ہے، اس میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ اس کا شاعر کون ہے۔ اصل عبارت یہ ہے:-

(سرورق) "دریں ایام برکت التیام بتائید خدائے رحمان رسالۂ نافعہ برائے مبتدیاں مسمیٰ بہ محمود نامۂ اردو ۱۲۹۰- حسب فرمائش جناب فیض مآب مقبول کونین مولوی حافظ عزیز حسین سلمہٗ الرب المشرقین والمغربین در مطبع گلزار محمدی واقع لکھنؤ زیر اکبری دروازہ مطبوع گردید" (آخری صفحہ) "شکر ہزار شکر آفریدگار دو جہاں کہ اندنوں ایک کتاب لاجواب مفید ہر خاص و عام محمود نامہ اردو نام بکم رجب المرجب ۱۲۹۰ ہجری کو بحسن سعی کارگزاران مطبع بخط عمدہ چھاپہ مطبع گلزار محمدی واقع لکھنؤ متصل چوک زیر اکبری دروازہ کے طبع ہو کر مقبول اہل جہاں ہوئی۔"

دیوان کی ہر غزل کے مقطع میں محمودؔ تخلص استعمال کیا گیا ہے اس میں دو شعر ایسے بھی ملتے ہیں جن سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ غالب کے شاگرد محمد حسین محمود کا دیوان ہے۔ وہ دونوں شعر یہ ہیں:-

وہ جانتے ہیں محمد حسین ہی محمودؔ
برا کہیں ہیں مگر میرے رو برو مجھکو

غلام غوث علی ہوں اسد کا ہوں شاگرد
ہو کس طرح نہ مرے نعرۂ جگر کو فروغ

سرورق کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دیوان (یا رسالہ) مبتدیوں کے لیے لکھا گیا تھا۔ بات کچھ ایسی معلوم ہوتی ہے کہ شاعر نے یہ دیوان ان لوگوں کے سامنے بہ طور نمونہ پیش کیا تھا جو شعر و شاعری کے کوچے میں قدم رکھنا چاہتے ہیں۔ محمودؔ شعر موزوں کر لیتے تھے لیکن ان کا شمار صف دوم کے شعراء میں بھی مشکل سے ہو سکے گا۔ انکی اگر کوئی خصوصیت ہے تو صرف یہ کہ غالب ان کے استاد تھے۔ یہاں محمود نامہ اردو کی ہر غزل کا ایک ایک شعر نقل کیا جاتا ہے تاکہ ان کا رنگ کلام معلوم ہو سکے

ایمائے امر کن کا جب اظہار ہو گیا اسباب حسن و عشق نمودار ہو گیا

بجتا ہے ساتھ نالۂ سوزاں کے دم بدم تار نفس ہے غیرت تار رباب اب

پردہ میں عبدیت کے نہاں کر کے اپنا بھید آ آپ واں کہیں ہیں کہیں واں ہیں آپ

تعزیت کس کی کروں میں کہ سوا تیرے مجھے کوئی زندہ نظر آتا نہیں اے جان حیات

شکر سبو سے کھا کے گیا جام یار ٹوٹ ٹکڑے ہمارے دل کے ہوئے تین چار ٹوٹ

ثروت کی ہیں تلاش میں محمود بوالہوس زر زن زمیں ہے فتنہ کی بنیاد اثبات

جاتا ہوں لحد میں دل سے ہیں بھی جائے نذر اک گل بدن کو رغبت سیر چمن ہے آج

چکرا نہ باد تند محبت سے ناخدا نکلے ہے غرق کشتی سوا ڈوبیاں نہ بیچ

جناب کشتی عمر رواں کو اے غافل نہ ناخدا کی ضرورت نہ حاجت ملاح

خلش خار مژہ رکھتا ہے دل تنگ مدام دیکھئے ہوتا ہے کب رونے رگ جان فراخ

دم تو دیتا تمہیں ہر بات میں خوب آتا ہے دی کبھی تم نے نہ محمود کے اشعار کی داد

ڈوری لگی ہے دل کی مری ایسے شوخ سے ہے جس کے بال بال میں گنڈا ہوا گھمنڈ

ذوق شیریں میں گیا جان وہ گم کردہ مذاق ہے گرفتہ نگو نامی فرہاد لذیذ

رک سکے کیونکر نہ چلے نالۂ شب گیر کا تیر آہ دل بن گئی ہے ترکش تصویر کا تیر

زندگی تلخ ہو فرہاد کو کیوں کر نہ بھلا دل میں شیریں کے ہو جب جائے خصومت آمیز

سامنے سب کے ہے وہ خود آرا افسوس ہر کسی کو نہیں پر دیدۂ بینا افسوس

(بقیہ صفحہ ۹)

سلام بن رزاق بنویلی

عالم سوز

ایک خاموشی سی چھائی ہے زمیں تا بہ فلک
ایک سناٹا سا پھیلا ہے افق تا بہ افق
رہ گذر چپ ہے، درو بام ہیں بستہ خموش
ابلق وقت دبے پاؤں ہے سرگرم خرام
اس طرح رکتی ہوئی چلتی ہے نبض ہستی
جیسے بیمار کہن سال کی مدھم سانسیں
رات ہے یا کسی بیوہ کی مشیلی چادر
چاند ہے یا کوئی مظلوم سر تختۂ دار
مضمحل گیت اٹھکے ہارے شکستہ نغمے
ڈوب کر سو گئے آغوش سکوت شب میں
گرمئی ساز نہیں، شعلۂ آواز نہیں
منجمد برف کی مانند ہے بزم ہستی
دل بدبخت دھڑکتا ہے تو آہستہ دھڑک
چھوٹ جائے نہ کہیں دامن غم ہائے دراز
ٹوٹ جائے نہ کہیں سلسلۂ سوز و گداز

احسن نشاط

"تنہائی"

سکوتِ شب میں دل پہ اک عالم بیت جاتا ہے
عجب انداز سے ویران یادیں مسکراتی ہیں
کبھی آواز بھی دیتا ہوں گر عمر گریزاں کو
تو ہر اک سو صدائے ناشنیدہ گونج اٹھتی ہے
تصور چھیڑ دیتا ہے تو اکثر چونک اٹھتا ہوں
اسی عالم میں سنتا ہوں کوئی آواز مبہم سی
یہی محسوس ہوتا ہے کہ ساز دل کے پردے کو
کسی دست حنائی نے ابھی ہلکے سے چھیڑا ہو
کسی ساز شکستہ کے ہر اک تار پریشاں کو

سیّد مسعود عالم

جستجو

ارمانوں کی چتا جلی ہے
سپنے سارے بکھر گئے ہیں
خوشیاں مجھ سے روٹھ گئی ہیں
آس کے بندھن ٹوٹ گئے ہیں
لیکن اب بھی.......
ان اندھیارے جیون میں
مری پیاسی روح بھٹکتی ہے

اردو اور ہندی کی تعلیم مشرقی جرمنی کی یونیورسٹیوں میں

لکھنؤ ۸ر نومبر۔ مشرقی جرمنی کے تین بڑے شہروں برلن، لائپ زگ اور ہالے میں اردو ہندی زبانوں سے کافی دلچسپی لی جارہی ہے اور گزشتہ تین چار سال سے مشرقی جرمنی کے طلبا لازمی اور اختیاری طور پر ان دونوں زبانوں کو سیکھ رہے ہیں۔

مشرقی جرمنی میں ڈرامے پر ریسرچ کرنے والے ایک طالب علم عارف نقوی جو آج کل اردو ہندی ڈرامے پر مواد فراہم کرنے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ان چند ہندستانی استادوں میں ہیں جو مشرقی جرمنی کے طلبا کو اردو اور ہندی پڑھا رہے ہیں۔

عارف نقوی نے ایک گفتگو میں بتایا کہ انسٹی ٹیوٹ آف انڈین اسٹڈیز میں ہندی اور انگریزی کی تعلیم لازمی ہے اور اردو بنگالی ملیالی اور تامل زبانیں اختیاری ہیں، اس کے علاوہ فارسی اور عربی کی تعلیم کے لیے ایک الگ شعبہ ہے۔

انھوں نے بتایا کہ مرحوم ڈاکٹر محمد اشرف کے وقت سے جب وہ وہاں ہندوستانی تاریخ کے پروفیسر تھے مغل عہد کے طالب علموں کو فارسی زبان پڑھنے کی ضرورت محسوس ہوئی اس کے بعد اردو سے بھی دلچسپی بڑھی۔

ڈاکٹر اشرف کے سلسلے میں نقوی صاحب نے بتایا کہ ان کے نام سے ایک اکیڈمی برلن میں قائم ہو چکی ہے اور مرحوم کی یاد میں ایک ضخیم جلد (انگریزی میں) جلد ہی شائع ہونے والی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں نقوی صاحب نے بتایا کہ اوسطاً ہر سال ۱۵ طالب علم برلن میں اور اتنے ہی طالب علم لائپ زگ کی کارل مارکس یونیورسٹی میں اردو پڑھتے ہیں۔

انھوں نے بتایا کہ اردو ہندی پڑھانے والے ہندستانی استادوں میں ڈاکٹر محمد احمد انصاری (بارہ بنکی) اور ڈاکٹر ودیا ساگر بھی ہیں۔

نقوی صاحب کے ریسرچ کا موضوع "اردو ہندی ڈرامے کے مسائل اور نئے جرمنی میں ڈرامے پر تجربے" ہے اور بحیثیت ریسرچ اسکالر کے برلن کی ہمبولڈ یونیورسٹی میں اور بحیثیت استاد کے لائپ زگ کی کارل مارکس یونیورسٹی میں وہ اردو ہندی کی تعلیم فی ہفتہ چار گھنٹے کے حساب سے دیتے ہیں۔ (قومی آواز لکھنؤ)

اردو کی دو کتابوں پر انعام

نئی دہلی ۷ر نومبر۔ مرکزی وزارت تعلیم نے امسال ابھرنے والے بچوں کے ادب سے متعلق دسویں انعامی مقابلے کے نتیجے کی بنیاد پر ۲۵ افسانوں کا اعلان کیا ہے۔ انعام کی رقم پانچ سو سے ایک ہزار روپیہ تک ہے۔ اردو کی دو کتابوں پر بھی انعام ملا ہے جن کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ طالب علم کی کہانی۔ از عبد الغفار مدھولی۔ ۲۔ زمین سے چاند تک۔ از کشور زیدی۔ (سیاست جدید کانپور)

مناظر عاشق ہرگانوی

دیوانِ گویا

۱۵ر مارچ ۱۹۹۴ء کے "ہماری زبان" میں ملک اسمٰعیل حسن خاں صاحب کا مضمون "فقیر محمد خاں گویا" شایع ہوا تھا، جسے پڑھ کر جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب نے "ہماری زبان" کے یکم مئی ۱۹۹۴ء کے شمارے میں ایک مراسلہ "قصائدِ گویا (فقیر محمد خاں) کے دو قلمی نسخے" شایع کرایا تھا۔ اپنے مراسلے کی ابتدا ہاشمی صاحب اس طرح کرتے ہیں "ہماری زبان میں چند ہفتے پیشتر فقیر محمد خاں گویا کے حالات اور ان کے کلام کا کچھ نمونہ شایع ہوا تھا...... " حالانکہ ملک صاحب کے مضمون میں کلام کا ایک نمونہ بھی شامل نہیں ہے البتہ انھوں نے اپنے مضمون کے دوسرے حصے میں گویا کی شاعری سے گفتگو کرنے کا وعدہ ضرور کیا تھا لیکن نہ معلوم کیوں آج تک ان کے مضمون کا دوسرا حصہ شایع نہیں ہو سکا؟ یہاں مجھے اس امر سے بحث نہیں، بلکہ میں تو یہ کہنا چاہتا تھا کہ "سرگروہ سخنوران نازک خیال جادو بیان رسالدار فقیر محمد خاں بہادر تخلص گویا" کے دیوان کی ایک جلد خدا بخش خاں لائبریری (پٹنہ) میں محفوظ ہے۔ ۲۰۶ صفحات کا یہ دیوان جس میں صفحہ ایک سے صفحہ ۱۹ تک ایک قصیدہ "در مدح حضرت خاقان زماں خدیو گیہاں ابو المظفر معز الدین شاہ زمن نصیر الدین حیدر بادشاہ غازی زاد ملکہ وسلطنتہٗ" ہے۔ قصیدہ کا آغاز جن اشعار سے ہوا ہے اسے ہاشمی صاحب نے "حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا کی شان میں ہے" لکھا ہے لیکن ۱۹ صفحہ کا یہ قصیدہ علی مرتضیٰ کی شان میں نہیں بلکہ ابو المظفر معز الدین شاہ زمن نصیر الدین حیدر کی مدح میں ہے اور میرے خیال میں یہ صحیح بھی ہے کیونکہ ہاشمی صاحب کی نظر سے جو دو قلمی نسخے گزرے ہیں ان میں تاریخ کتابت درج نہیں ہے اور مالکوں کی جو مہر ثبت ہیں ان میں ۱۲۶۳ھ اور ۱۲۹۶ھ مرقوم ہے۔ لیکن خدا بخش خاں لائبریری میں گویا کا جو دیوان موجود ہے وہ ۱۸۸۲ء میں شایع ہو چکا تھا، اس لیے ممکن ہے کہ "قصائدِ گویا" کے کاتب نے کتابت کرتے وقت دیوان ہذا کو پیشِ نظر رکھا ہو اور مندرجہ بالا قصیدہ کو نقل کرتے وقت بیک جنبشِ قلم ابو المظفر کی بجائے علی مرتضیٰ لکھ دیا ہو۔ یا پھر بے خیالی میں علی مرتضیٰ کی شان کا قصیدہ ابو المظفر کے عنوان سے اور ابو المظفر کی مدح کا قصیدہ علی مرتضیٰ کے عنوان سے نقل ہو گیا ہو؟

صفحہ ۱۹ سے صفحہ ۱۰۰ تک ردیف دار غزلیں الف، بائے موحدہ، تائے مثلثہ، جیم فارسی، حائے حطی، خائے معجمہ، دال، ذال معجمہ، رائے مہملہ، سین مہملہ، شین معجمہ، صاد مہملہ، طائے مہملہ، ظائے معجمہ، عین مہملہ، غین معجمہ، فا، قاف، کاف فارسی، لام، میم، نون، واو، ہا اور یا ہیں۔ اس کے بعد صفحہ ۱۰۱ سے "ترکیب بند" چلتا ہے جس میں صفحہ ۱۰۵ سے صفحہ ۱۰۹ تک سلام اور دو صفحوں میں ۲۱ بند ختم ہو کر ۱۱۲ اور صفحہ ۱۱۲ پر مخمس ہے۔ صفحہ ۱۱۳ پر دیوان ختم ہو جاتا ہے۔ پھر ۱۱۴ سے صفحہ ۱۱۶ تک تاریخ دیوان درج ہے۔ تاریخ کہنے والوں میں وزیر، مضطرب اور شیخ امام بخش ناسخ ہیں۔ خواجہ وزیر نے تاریخ دیوان اس شعر سے ۱۲۴۲ھ نکالا ہے

سال اتمام و حسن ترتیبش ... گفت دل ہست کتاب دلکش ۱۲۴۲ھ

دوسری تاریخ مضطرب کی ہے انھوں نے ۱۲۴۱ھ اس سے ظاہر کیا ہے

چوں پے تاریخ گشتم مضطرب ... گفت ہاتف وہ چہ بستان سخن ۱۲۴۱ھ

دیوان کے خاتمۃ الطبع میں لکھا ہوا ہے "بعد حمد خدا اجل وعلا اور نعت مصطفیٰ ختم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے واضح ہو کہ دیوان بلاغت و فصاحت نشان فقیر محمد خاں ادخلہ اللہ فی الجنان کا مطبع فیض منبع جناب منشی نولکشور واقع کانپور میں باہتمام منشی بشیشر دیال صاحب مہتمم مطبع سے ماہ فروری ۱۸۸۲ء کو چھپا۔"

گویا کے دیوان سے چند شعر بطور نمونہ ملاحظہ فرمایئے

پاؤں پڑتے ٹھوکریں کھاتے کٹی گویا کی عمر ... نقشِ پائے یار ہے نامہ مرے اعمال کا

داغِ تن کھل رہے ہیں صورتِ گل ... ہم ہیں گویا شگوفہ دار درخت

فاصلہ شام و سحر میں نہ رہا اے گویا ... دیکھ کے متصل زلف چلیپا وہ رخ

پس از مردن بھی کیا وحشت تو یا سر دکھایا ہے ... ہوا ہے بید مجنوں جب سبزہ میرے مدفن پر

کٹی ہجر کی شب آئی بس آن پہونچی ہے صبح پھری ... بہت ہی کی تو نسبت پہنچی اب یک دن خدا کر

از سن لے گویا چو دیگر مسلماں نا خوش باشد ... ہست مصحف بغل و زنار ہم بالائے دوش

رقص کی اس کے صفت گویا نہ پوچھ ... دل کو کر دیتا ہے بے آرام رقص

گریاں وہ جو تیغ رونے کا گویا مکھڑوں میں چال ... ہر دائرہ ہے چشم اور آنسو بہائے خط

گویا ہوں وقت کا سلیماں ... پریوں ہی پہ حکم کر رہا ہوں

ہوں بادشاہِ سخن گو فقیر ہوں گویا ... مرا اجارہ ہے اشعار کی زمینوں میں

سینکڑوں مضمون باندھے ہیں غزالِ چشم کے ... فکرِ گویا نے کیا شرمندہ آہو گیر کو

قد موزوں کے عشق میں گویا ... رات دن شغل شعر خوانی ہے

اپنی جہید پوچھ ست گویا ... کچھ نسبت یہ بار ہا سے

قطعہ

ولولۂ جوشِ جنوں کا تھا مجھی تک گویا
نظر آیا نہ کوئی آبلہ پا میرے بعد
بیدِ مجنوں نہ ہوا گل کا گریباں نہ پھٹا
سنبل تر بھی پریشاں نہ ہوا میرے بعد

ہندوستانی پارلیمنٹ کو کتابوں کا تحفہ

برطانوی ہائی کمشنر مامور ہند سرپال گور بوتھ نے لوک سبھا کے اسپیکر سردار حکم سنگھ کو برطانوی پارلیمنٹ کی تاریخ کی پہلی تین جلدیں پیش کیں۔ یہ کتاب چوالیس جلدوں پر مشتمل ہوگی، سرلیوس نمیر اور جون بروک نے تصنیف کی ہے۔

تحفہ پیش کرتے ہوئے سرپال نے کہا کہ آج کل کے زمانے میں پارلیمنٹری نظام کی اہمیت بہت زیادہ ہے دنیا میں کئی قسم کی حکومتوں کی جانچ ہو چکی ہے اور ہو رہی ہے۔ مستقبل میں بھی نئے نئے تجربے ہوں گے لیکن اپنی تمام خامیوں کے باوجود پارلیمنٹری حکومت ہی ایک ایسی حکومت ہے جو کسی اور حکومت کے مقابلے میں انسانی وقار اور حقوق کے ساتھ زیادہ مطابقت رکھتی ہے۔

برطانوی ہائی کمشنر نے بتایا کہ کتاب کی دیگر جلدیں تیار ہو جانے پر پارلیمنٹ کی لائبریری کو بھیج دی جائیں گی۔ (بطانیہ نئی دہلی)

آئندہ سال سے ہندی ہی ہندی

ہزاری باغ ۲ر نومبر ہندی پرگتی سنگھ کے صدر اور بہار اسمبلی کے اسپیکر مسٹر ایل این سدھانشو نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ آئندہ سال ۲۶ جنوری سے ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے علاوہ ہندی ریاستوں کے سرکاری دفاتر میں تمام کام لازمی طور پر ہندی میں ہونے لگیں گے۔ مسٹر سدھانشو اور سنگھ کے دوسرے ممبران سرکاری دفاتر میں ہندی کے استعمال کا جائزہ لینے کی غرض سے یہاں آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ متعدد احکامات کے اجرا کے باوجود حکومت بہار سرکاری دفاتر میں ہندی کو لازمی قرار نہیں دے سکی ہے۔

انھوں نے کہا کہ اسکولوں اور کالجوں میں انگریزی کو اختیاری حیثیت دی جائے۔ اور اس زبان کے ہونہار طالب علموں کو تمام آسانیاں پہونچائی جائیں۔ مگر تمام طالب علموں پر انگریزی کو مسلط نہ کیا جائے کہ اس مضمون میں طالب علموں کی اکثریت فیل ہوتی ہے۔ مسٹر سدھانشو نے کہا کہ ترقی پذیر زبان کے لیے نئے اصطلاحات ضروری ہیں۔ مگر بین الاقوامی الفاظ کو بھی ہندی میں جگہ دی جائے۔ (آزاد ہند کلکتہ)

اردو اکاڈمی دہلی

اردو اکاڈمی دہلی کی مجلس منتظمہ کا ایک جلسہ زیر صدارت مفتی عتیق الرحمن صاحب، دفتر برہان میں منعقد ہوا۔

سکریٹری نے سب سے پہلے گزشتہ چار سال کے حسابات کی آڈیٹڈ رپورٹ مجلس کے سامنے پیش کی۔ اور دہلی میں پرائمری اور مڈل اسکولوں کی درسی کتب کی اشاعت کے کام کی تفصیلات سے مجلس کو مطلع کیا۔ ممبران نے آڈیٹر کی رپورٹ پر گفتگو کی وقت کی قلت کی وجہ سے مزید گفتگو آئندہ میٹنگ کے لیے ملتوی کر دی گئی ممبران نے درسی کتب کی اشاعت کے کام پر اپنے اطمینان اور مسرت کا اظہار کیا۔

سکریٹری نے مجلس کے سامنے نویں، دسویں اور گیارھویں جماعتوں کی درسی کتب کا مسئلہ رکھا۔ اور یہ بات واضح کی کہ یہ کتابیں نہ صرف دہلی میں بلکہ ملک کے دوسرے حصوں میں بھی طلبا کی ضرورت پوری کریں گی اور ان کتب کی اشاعت کے بعد درسی کتب کی اشاعت کا سوال کافی حد تک حل ہو جائے گا۔ ارکان نے اس کام کی تکمیل کے لیے ضروری سرمایہ فراہم کرنے کے سوال پر غور کیا۔

حضرت مولانا حفظ الرحمن مرحوم بانی اکاڈمی کے انتقال اور لالہ شام ناتھ کے استعفیٰ سے جو مجلس میں دو نشستیں خالی ہو گئی تھیں۔ ان کو پر کرنے کے لیے سید بشیر حسین زیدی صاحب اور قاضی سجاد حسین صاحب کو اردو اکاڈمی کی مجلس منتظمہ کا رکن منتخب کیا گیا۔ (سکریٹری اردو اکاڈمی)

۱۴ ویں صدی کی فارسی لغت

لینن گراڈ۔ ۱۴ر نومبر ایرانی ادب کے سوویت اسکالر سیمیون شنگی نے وسط ایشیا میں فارسی کا ایک قدیم لغت کا مسودہ دریافت کیا ہے جس کا تعلق ۱۴ صدی سے ہے اس لغت کے مولف مسٹر بدر الدین تھے۔ اس حقیقت کی بھی تصدیق ہو چکی ہے کہ اس لغت کی نقل ۱۶ ویں صدی میں عرب نامی ایک خوش نویس نے بنائی تھی یہ شخص کرشی کا رہنے والا تھا۔

اس دریافت سے پہلے بہت کم ایسے مسودات موجود تھے جن کا تعلق قدیم فارسی لغت نویسی سے ہے اس مسودہ میں عربی یونانی اور ترکی کے الفاظ کی شرحیں بھی لکھی گئی ہیں اور ایک ہندوستانی زبان کی جس کے بارے میں ماہرین ابھی طے نہیں کر سکے ہیں کہ کونسی ہے۔ (الجمعیۃ دہلی)

کرشن چندر تحریری و تقریری مقابلہ

۲۳ر نومبر کو مشہور افسانہ نگار کرشن چندر کے یوم پیدائش پر انجمن ترقی اردو شاخ مالیگاؤں کی جانب سے ایک تحریری و تقریری مقابلہ کا پروگرام ترتیب دیا جا رہا ہے۔ (شعبان انصاری سکریٹری انجمن ترقی اردو مالیگاؤں)

سلام مچھلی شہری

پنڈت جواہر لال نہرو ادیب کی حیثیت سے

"ایورسٹ پر کیوں چڑھا جائے؟"

اس کلاسیکی سوال کے جواب میں پہاڑی مہم سر کرنے والوں میں سے ایک عظیم شخصیت نے ایک بڑا رومانی جواب دیا۔

"اس لیے کہ وہ ہے"

اور یہ سوال کہ نہرو کو کیوں پڑھا جائے؟ ایک دن یقیناً کلاسیکی اہمیت حاصل کرے گا۔ اور اس دن کے لیے میری پیشین گوئی ہے کہ جواب بھی یہی ہوگا۔

"اس لیے کہ وہ ہیں!"

نہرو اور ایورسٹ ہماری تاریخ کی دو غیر فانی حقیقتیں ہیں۔ کوئی ہندوستانی ان میں سے کسی کو بھی نظر انداز کرنے کی سکت نہیں رکھتا

نہرو کا دور

ادیب کی حیثیت سے نہرو کا مرتبہ کیا ہے؟

حرف آغاز کے طور پر ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہندوستان کے مستقبل کے مورخین مواد کی فراہمی کے لیے "ہندوستان کی تلاش (ڈسکوری آف انڈیا) اور خود نوشت سوانح عمری (آٹو بایوگرافی) کی ورق گردانی کے لیے مجبور ہوں گے اور وہ مایوس نہیں ہوں گے۔

ڈاکٹر ہمایوں کبیر کے الفاظ میں ہمارا دور نہرو کا دور ہے بیسویں صدی کے ہندوستان کے بارے میں سب سے زیادہ ٹھوس اور قابل اعتماد دستاویزات، نہرو کی تصانیف میں ملتی ہیں۔ صرف دستاویزات کا قابل اعتماد ہونا ہی نہرو کی تصانیف کو عظیم نہیں بناتا! اگر ایسا ہوتا تو ہر طرح کا بیان ایک ادب پارہ ہوتا!

صداقت ہمیشہ حسین نہیں ہوتی اور نہ سچ ہمیشہ فن ہوتا ہے۔ نہرو کی تصانیف میں کافی سچائی ہے۔ ہر مخلص ہندوستانی کے نقطہ نظر سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ نہرو کی کتابوں میں صرف سچائی ہی سچائی ہے اور کچھ نہیں۔ مصنف کی ایمانداری بھی اسے اس کی اجازت نہ دے گی کہ وہ سچائی کے علاوہ کچھ اور لکھ سکے!

یہ سب تسلیم کرنا پڑے گا مگر اسی کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ نہرو کی کتابوں میں اس سے کچھ زیادہ ہے جو ایک مورخ یا سیاست داں تلاش کر سکتا ہے۔

ایک مضمون بعنوان "سب کا آخری سوال" میں سی۔ منٹگو کا نظریہ ہے کہ شاذ و نادر ایسا ہوتا ہے کہ ایک عظیم فنکار زندگی کے بارے میں کوئی نئی بات کہے! جو باتیں اسے محسوس ہوتی ہیں اور اسے مسرت بخشتی ہیں، عام طور سے وہ ہوتی ہیں جنھوں نے تقریباً عام لوگوں کو متاثر کیا ہوگا۔ اور مسرت دی ہوگی!

نہرو کی کتابیں پڑھتے وقت ہم مانٹگو کی تحریر کی صداقت محسوس کرتے ہیں "تاریخ عالم کی جھلکیاں"........

(GLIMPSES OF WORLD HISTORY)

میں نہ تو ویلز کی وہ روانی ہے جو اس کی مشہور کتاب "آؤٹ لائن آف ہسٹری" میں اور نہ ہی ٹائنبی کا وہ عالمانہ رنگ جو ان کی کتاب A STUDY OF HISTORY میں ہے پھر بھی اس میں ایک عجیب سحر کن کیفیت ہے جو نہ تو ویلز کے یہاں ہے اور نہ ٹائنبی کے یہاں!

"خطوط بیٹی کے نام" LETTERS TO DAUGHTER

میں ممکن ہے کہ وہ نہ ہو جو کہ مادام داسویں اور وان گوگ کے یادگار مجموعہ میں ہے لیکن اس کی اپنی الگ ایک جاذبیت ہے۔ نہرو کی کتابیں صرف تاریخ ہی نہیں ہیں بلکہ اپنے طور پر ناقابل تقلید فنی نمونے ہیں۔

فن کیا ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ چند معمولی الفاظ کی ساری بندشوں سے ہم پر ایک انوکھی اور بے پایاں کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ لاکھوں آدمیوں کی بیویاں مری ہوں گی۔ لیکن ایسا کیوں ہے کہ نہرو کی اپنی سوانح حیات کا سادہ انتساب "کملا کے لیے جو اب نہیں ہے" آپ کو گرفت میں لے لیتا ہے۔

مانٹگو نے نظم کے تین مصرعے نقل کیے ہیں اور اختتام پر لکھا ہے کہ کوئی تنقید نگار ان کے حسن کی تشریح نہیں کر سکتا ہے۔

"روشنی ہوا سے سرستی ہے
جوان اور خوبصورت رعنائیاں
فضا سے نور برس رہا ہے
جوان و حسین شاہزادیاں مری ہیں
غبار سے ہیلن کی آنکھیں بند ہو گئی ہیں —!"

میں یہ نہیں ذہن نشین کرانا چاہتا کہ نہرو عظیم ادبی فنکار تھے۔ انھوں نے خود بھی اس کا دعویٰ نہیں کیا۔ ان کا ارادہ یہ نہ تھا کہ ادب تصنیف کریں۔ وہ صرف اپنے متعلق اور اس دعوت کے متعلق جو ان کے گرد تھی لکھنا چاہتے تھے۔ اور اس کو انھوں نے بڑی خوبی سے انجام دیا ہے۔ ان کی تحریروں میں نزاکت کی آورد نہیں ملتی۔ نہ نتائج کی بیکار سعی ہے اور نہ ہی رنگ آمیزی کی بیجا کوشش ہے لیکن ان کے افکار کے سامنے وہ لوگ جو تاریخ ساز ہیں محض بچے نظر آتے ہیں

مصنف نہرو کے مقابلے میں نہرو بحیثیت انسان کہیں زیادہ پیچیدہ تھے

مجھے ایک موقع یاد آتا ہے جب وہ ایک امنڈتے ہوئے مجمع میں ایک لپکتے ہوئے شعلے کی طرح گھس گئے۔ ان کی تقریر انگارہ تھی۔ لیکن جب آگ بجھ گئی تو ان کے چہرے پر پھر مسکراہٹ دمکنے لگی۔ اور اس دمک میں غصہ کی گرمی باقی نہ تھی۔

اگر نہرو فنافی الادب ہوتے تو انھوں نے اپنے سارے وجود کو اپنی تحریروں میں سمو دیا ہوتا۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ ایک عمدہ تعزیتی مضمون میں کنگسلے مارٹن نے ہمیں یاد دلایا ہے

کہ نہرو کو غصہ بھی آسکتا تھا۔ اور وہ جذباتی بھی ہو سکتے تھے۔ وہ جہالت اور توہم پرستی سے متنفر تھے، اور اس سلسلے میں انھوں نے اس کی کبھی پروا نہ کی کہ اس کا ان پر کیا اثر پڑے گا حفاظتی دستے کو انھوں نے ہمیشہ مایوس رکھا۔ ان میں خوشگوار طریقے پر لڑکپن اور عقلمندانہ انداز تھا۔ لیکن جب وقت کا تقاضہ ہوتا تو وہ ایک سلجھے ہوئے سیاست داں نظر آتے۔ اور جیسے جیسے ان کی عمر گزرتی گئی وہ اپنے کو زیادہ سے زیادہ تنہا محسوس کرتے گئے۔

شخصیت کا تخلیقی پہلو

لیکن اس طرح کے بہت کم پہلو ان کی کتابوں میں نظر آتے ہیں۔ ادیب کی حیثیت سے نہرو باخبر تھے کہ آئندہ نسلوں کو ان کے غصے یا ان کے مختلف موڈ سے کوئی دلچسپی نہ ہوگی۔ بلکہ وہ ان کی شخصیت کے تخلیقی پہلو سے دلچسپی لیں گے اس پہلو سے، جس نے ہندوستان کو سنگ پایا تھا مرمر چھوڑا تھا۔

ان کی تصانیف جو غیر فطری طور پر نہیں بلکہ فطری نرم روی ہم تک ان کے بہترین افکار پہونچاتی ہیں بڑی احتیاط سے لکھی گئی ہیں ایک دور بین قاری فوراً مصنف کے احتیاط کو بھانپ لیتا ہے۔ اس پریشانی کو کہ کوئی غلط یا گمراہ کن بات آنے نہ پائے۔ نہرو کا طرز تحریر کچھ بجھا بجھا سا نظر آتا ہے لیکن یہ فرض کر لینا غلط ہے کہ اس میں اکتاہٹ بھی ہے۔ ہنگامی لمحوں میں ان کا لہجہ گہرا ہوتا جاتا ہے اور بہت کم مصنف ان کے مقابلے میں اہمیت کا احساس بیدار کرنے کے اہل ہیں۔ ان کی خود نوشت سوانح عمری میں وہ موقع جہاں انھوں نے اس وقت کے اپنے اندرونی محسوسات کو بیان کیا ہے۔ جب تحریک ترک موالات کے دوران برطانوی سپاہیوں سے ٹکرائے تھے، یا مہاتما گاندھی کی موت کے موقع پر ان کی تقریر ان کی قوت بیانی کی یادگار مثالیں ہیں۔

یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ آئندہ نسلیں ادیب کی حیثیت سے ان کے بارے میں کیا سوچیں گی؟ تیز رفتاری سے بدلتی ہوئی اس دنیا میں جو زیادہ سے زیادہ بد مذاق ہوتی جا رہی ہے کچھ بھی ہو سکتا ہے! یوں بھی آج کل ڈکنس، بیتھوون کے مقابلے میں زیادہ مقبول ہے۔ اور گی اسپائیلس شیکسپیئر سے زیادہ بکتا ہے۔ لیکن کسی بھی معجزہ ہی کے ذریعہ اگر مستقبل عظمت ایماندارانہ خلوص اور دلکشی کے بارے میں ہمارے جذبۂ ستائش کا ایک شمہ بھی برقرار رکھ سکتا ہے، تو ادیب جواہر لال نہرو کو بھی نہیں بھلایا جا سکتا۔

نوح اکیڈیمی دہلی کا سالانہ مشاعرہ ۲ دسمبر کو

نئی دہلی ۲۰ نومبر۔ نوح اکیڈیمی دہلی کا سالانہ مشاعرہ ۲ دسمبر کو شام ۶ بجے ہو رہا ہے یہ مشاعرہ نوح اکیڈیمی کے سرپرست اور راجیہ سبھا کے سابق ممبر ڈاکٹر مرزا احمد علی کے مکان پر ہوگا۔ (قومی آواز لکھنؤ)

(بقیہ صفحہ ۳ کا)

شائق دولت خاک قدم یار ہوں میں　　دھوپ میں ہوں کہ ہوں خاصل اکسیر ہو خوش

صوفیوں کو ہے تری دولت دیدار کی حرص　　سوفیوں کو ہے متاع زر و دینار کی حرص

ضدان کی دیکھئے فیض ان کے دیکھے کس وقت　　کہ مرد ہو گئے جس وقت دست پائے مریض

طرز ستم ہے یہ کہ لکھے میں نے خط ہزار　　لکھا نہ اس نے مجھ کو کبھی ایک بار خط

ظل حق جب تک نہ ہو سر پہ کسی کچھ نہیں　　ہے گدائی میں نہ کیفیت نہ سرداری میں حظ

علم ظاہر سے جدا ہے پردہ راز سماع　　شرع میں کیوں کر نہ ہو پھر حرمت بیان سماع

ذوق غم سے گھٹا اور بڑھا گر تیرے　　ضیا رخ پہ نہ حاصل ہوا قمر کو فروغ

فرق ہو دل میں تو ہے شفقت ادب لطف　　ہوں نہ مرضی کے تو ہیں خویش برادر لطف

قسم ہے مصحف ابروئے نگار کی کہ مجھے　　سوائے اس کے نہیں مجھ کو تمنائے عشق

کشتہ تیغ تبسم نے جو پکڑا دامن　　تو ستمگر نے خفا ہو کے دیا ہاتھ جھٹک

گفتگو کرنے سے کھلتا ہے سیہ اور سفید　　ایک ہو ورنہ رخ کا خود دیدہ انگشت

لہریں سخن کی اٹھتی ہیں محمود دل میں آج　　یاد آ گیا ہے دل کو وہ پھر افسانے دل

مبتلا تجھ پہ ہیں اے خود آرائی ہم　　بن کے ہفتاد و دو ملت کے تماشائی ہم

نشان سجدۂ در دوست کس جبیں میں نہیں　　پہ نقش حب صنم ہر دل نگیں میں نہیں

وقوف سر خفی کو کروں میں کیا اخفا　　کہ ہر طرف نظر آتا ہے تو ہی تو مجھ کو

ہو وہ کب مستعد قتل مہا اے قاتل　　پڑ گیا ہے تری شمشیر کا مجھ پر سایہ

بے خبر تھی کسے اے شوخ ستمگر معلوم　　دل تجھے دیکھ کے بھی شست کش جاں ہو گئے

مراسلات

میر کی سیادت

میر تقی میر کی سیادت کے متعلق تذکرہ نویسوں نے دلچسپ اطلاعات بہم پہنچائی ہیں اور محققین نے بھی اس موضوع پر خوب بحثیں کی ہیں لیکن یہ حقیقت پھر بھی حقیقت ہی رہتی ہے کہ میر تقی میر کے نانا کا نام سراج الدین علی خاں تھا اور ان کے خاندان کے کئی افراد کے ناموں کے ساتھ "شیخ" لکھا گیا ہے۔

لوارین اودھ کے حالات کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کے بانی شیخ صفی الدین تھے، شیخ کے پوتے کا نام خواجہ علی تھا، ان کی اولاد میں شیخ شاہ، شیخ جنید، شیخ حیدر وغیرہ نام ملتے ہیں۔ اسی خاندان کے ایک فرد میر محمد امین یا سید محمد امین تھے جو اودھ کی سلطنت کے بانی ہوئے، میر محمد امین کے بھانجے اور داماد مرزا محمد مقیم صفدر جنگ (جن کا لقب) ہوئے۔ صفدر کے اخلاف میں تمام افراد کے ناموں کے ساتھ "میرزا" اور "خاں" کا الحاق ملتا ہے۔

یہ اور اسی قسم کے کئی اور شجرے بھی مل سکتے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ میر محمد امین کے اخلاف کو بہ سبب بزرگی شیخ اور خواجہ کہا گیا، میر تقی میر کے لیے مولانا محمد حسین آزاد اور دوسرے تذکرہ نویسوں کے حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ بہ وجوہ "میر" مشہور ہو گئے لیکن حقیقتاً وہ میر (سید) نہ تھے۔ اسی طرح منشی ہرگوپال تفتہ کے متعلق مشہور ہے کہ انھیں اپنے استاد مرزا غالب سے اس حد تک عقیدت تھی کہ وہ خود کو بھی مرزا تفتہ کہتے ہوئے فخر محسوس کرتے تھے۔ اگر یہ سب صحیح ہے تو ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ کسی فرد کے نام کے ساتھ شیخ، سید، میر، میرزا، خواجہ یا خان کا الحاق اس بات کے لیے سند نہیں ہو سکتا کہ وہ شخص کسی خاص قبیلہ یا نسب سے واقعی متعلق ہے۔

ہماری زبان کے صفحات پر سر سید احمد خاں کے سلسلہ میں یہ بحثیں ہو چکی ہیں کہ لفظ "خان" کا استعمال کسی بھی شخص کے نام کے ساتھ ہو سکتا ہے خواہ وہ سید ہو، پٹھان ہو یا کچھ اور۔ لفظ "میرزا" کا استعمال غیر مغلوں کے نام کے ساتھ بھی ملتا ہے اس سلسلہ میں مرزا تفتہ کے علاوہ ایک نام اور پیش کرتا ہوں۔

"غلام تخلص راجہ گوپال خلف مرزا راجہ ناتھ دہلوی تخلص بہ ذرہ شاہ عالم بادشاہ کے مقربوں میں تھے" (انساخ ص ۳۵۲)

مسلمانوں میں غیر مغلوں کے نام کے ساتھ بھی اس لفظ کا الحاق مل سکتا ہے چنانچہ احوال غالب میں غالب سے متعلق سب سے پہلا مضمون شائع ہوا ہے اس میں ذوق کا نام اس طرح درج ہے:

"مرزا محمد ابراہیم خاں"

یہ بات مسلم ہے کہ ذوق مغل یا پٹھان نہ تھے۔

اسی طرح لفظ "میر" کے محل استعمال کے متعلق میر محمد خاں سرور نے شمس الدین فقیر کے متعلق جو "عباسی النسب" بھی تھے لکھا ہے۔

"از فخر الشعرا میر نظام الدین علی خاں ممنون ...... بہ ثبوت رسیدہ کہ الحاق "میری" بہ اسمش از روی فضیلت است نہ بہ سبب سیادت" (تذکرہ سرور ص ۱۵۹)

میں سمجھتا ہوں کہ مذکورہ بالا الفاظ جن کے متعلق عام خیال ہے کہ ان سے نسب کا پتا چلتا ہے لازماً نسب کا پتا نہیں دیتے بلکہ ان کا استعمال بیشتر احترام اور بزرگی کے اعتراف کے طور پر کیا گیا ہے، میرے پیش نظر حکیم کاشف لکھنوی کا تیرہ پشتوں تک کا شجرہ بھی ہے، تذکرہ نویسوں نے ان کو متفقہ طور پر سید لکھا ہے لیکن جہاں تک مجھے ان کے بزرگوں اور عزیزوں کے ناموں کا علم ہو سکا ہے بیشتر کے ناموں کے آخر میں لفظ "میرزا" کا الحاق بھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ لفظ بھی لفظ "خاں" کی طرح خطاب کی حیثیت رکھتا تھا۔

اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اس مسئلہ پر رہنمائی فرمائیں۔

(محمد انصار اللہ نظر)

لسانیاتی اصطلاحیں

رسالہ ماہ نو، کراچی کے شمارہ اکتوبر میں محترم ڈاکٹر گیان چند صاحب کا عالمانہ مضمون "زبان اور اس کا علم" ذوق شوق سے پڑھا، میں طالبانہ طور پر یہاں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

۱۔ Semantics کا ترجمہ ڈاکٹر صاحب نے "معنیات (دلالیات)" کیا ہے۔ "معنی" عربی لفظ ہے۔ اردو میں اس کے دو تلفظ ہیں: مانی اور معنی۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ "معنیات" کس قاعدے سے بنایا گیا ہے۔ اس قسم کے الفاظ بنانے کا قاعدہ تو یہ ہے:

اسم + ی + ات

جیسے لسان + ی + ات = لسانیات

اسی طرح صوت + ی + ات = صوتیات

تو کیا معنی + ی + ات = معنیات

درست ہے؟ میرا تو خیال ہے "مفہومیات" پر غور کرنا چاہیے، اور یہ "معنویات" کیسا رہے گا؟

۲۔ Etymology کے لیے کوئی اصطلاح محترم نے مقرر نہیں کی ہے۔ تشریح یہ کر دی ہے: "الفاظ کی اصل کا علم"۔ ذہن تو سیدھے "لفظیات" کی سمت جاتا ہے۔

۳۔ آخری بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں عربی کی الف لام والی ترکیب سے پرہیز کرنا چاہیے: علم الانسان کیوں کہتے ہیں؟ انسانیات کہیے۔ تدوین اللغات کیوں؟ "تدوین لغات" کہیے، "لغت تدوینی" کہیے "لغتیت" کچھ اور کہیے۔ جدید اردو کی قواعد میں ہمیں ہندی اور سنسکرت قواعد کے لیے کافی جگہ نکالنی ہو گی۔ بہتر یہی کہ عربی قواعد کی جگہ کم سے کم کر دی جائے۔ بات عاقبت اندیشی کی ہے۔

ضمیمہ کے طور پر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہر فقرے کیلئے کوئی فارسی یا عربی لفظ ڈھونڈنا چاہیے یہ ٹھیٹھ اردو لفظ زیادہ دور تک ہمارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ (اقبال کرشن)

پنڈت جواہر لال نہرو کی یاد میں

مدراس یونیورسٹی میں "شردھانجلی" کا اجراء

مورخہ ۱۱ر نومبر ۱۹۹۲ء شام کے ۵½ بجے مجلس مصنفین مدراس کے زیرِ اہتمام جنوب کے مشہور شاعر جناب کاوش بدری کی منظوم تصنیف "شردھانجلی" (آنجہانی نہرو جی کی یاد میں) کا اجراء عمل میں آیا۔ اس عظیم الشان یادگار جلسہ کی صدارت الحاج مولانا سید عبدالوہاب صاحب بخاری مدظلہٗ نے فرمائی۔ ڈاکٹر شنکر راجو نائیڈو۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ایف۔ آر۔ اے۔ ایس۔ (لندن) نے "شردھانجلی" کا اجراء فرمایا۔ اور جناب دانش فرازی نے استقبالیہ فرائض کو انجام دیتے ہوئے دوران تقریر میں کتاب کی اہمیت پر کہا کہ نہرو جی پر کہی گئی تمام نظموں پر "شردھانجلی" بھاری ہے جلسہ کا آغاز تامل زبان کی حمد سے ہوا۔ جناب ادیب بھارتی نے اس موقع پر بھیجے گئے اہم پیغامات کو پڑھ کر سنایا۔ یونیورسٹی لائبریری اسٹاف اور مجلس مصنفین کی جانب سے صاحب تصنیف کو پھولوں کا تحفہ پیش کیا گیا۔

جناب صدر کاوش بدری کا پر شکوہ تعارف کرایا اور "شردھانجلی" کی ہمہ گیریت پر گہری روشنی ڈالتے ہوئے کتاب کے بعض حصوں کا انگریزی میں بہت خوب صورت ترجمہ پیش کیا۔ ڈاکٹر شنکر جی نے اجرائی رسم کے بعد بہ زبانِ انگریزی "شردھانجلی" کے کئی حصوں کا بسیط ترجمہ کیا اور ہندی میں بھی اس کے مفاہیم پیش کیے۔ موصوف نے جناب صدر اور پروفیسروں کو توجہ دلائی کہ اس کتاب کو کالج کے نصاب میں داخل کر لیا جائے۔

یہ جلسہ قومی ترانے کے ساتھ بحسن وخوبی شام کے سات بجے اختتام پذیر ہوا۔

(ساحل رشید)

انجمن تعمیر اردو کی چار حالیہ نشستیں

انجمن تعمیر اردو دلی کی ہفتہ وار ادبی نشستوں میں سے گزشتہ چار ادبی مجالس کی روئیداد کا خلاصہ ناظرین کے ملاحظے کے لیے درج ذیل ہے۔ انجمن کی ایک نشست ۴ر اکتوبر کو جناب طالب دہلوی کی زیرِ صدارت اردو ناہال اردو بازار میں منعقد ہوئی۔ دیوان ظفر پیامی نے بہ عنوان "دوسری موت" ایک سیاح تاہرہ کا واقعہ افسانوی انداز میں بشکل "تبصرہ" سنایا جسے بے حد پسند کیا گیا۔ علاوہ ازیں جناب کرشن موہن گلزار دہلوی، عنوان چشتی منگلوری، نظمی سکندر آبادی، نصرت گوالیاری اور مرزا امیر آغا نے کلام سنایا۔ اختتام پر طالب دہلوی صاحب نے نشست کی کامیابی اور انجمن کی خدمات کو سراہا۔ دوسری نشست قومی عجائب گھر کی لائبریری کے محافظ جناب یوسف کمال بخاری صاحب کی زیرِ صدارت ۱۸ر اکتوبر کو منعقد ہوئی۔ حضرت لمعہ سعیدی ٹونکی صاحب، عبداللطیف اعظمی صاحب، طالب دہلوی، بہار برنی، عزیز وارثی، افگن نجیب آبادی، ساحر سیلانوی، نصرت، نظمی، ڈاکٹر خاک محمود پاکی اور اسلم سہارنپوری حضرات نے نظم ونثر میں اپنی تخلیقات سے نوازا۔ اور اعظمی صاحب وگلزار دہلوی نے جشن پور اردو کانفرنس کی کارکردگی اور نتائج پر مفید گفتگو سے مستفید کیا جس سے خدمتِ اردو کے لیے تمام انجمنوں اور اداروں میں متحد جوشِ عمل اور تعاون کا ولولہ پیدا ہوتا ہے۔

تیسری نشست شاعرہ ۲۵ر اکتوبر کو زیرِ صدارت جناب رشید حسن خاں منعقد ہوئی جس میں جناب قادر الکلام علامہ پروفیسر پنڈت تربھون ناتھ صاحب زتشی زار دہلوی یادگارِ داغ نے اپنے کلام سے نوازا دیگر مقامی شعراء نے بھی اپنا کلام سنایا۔

چوتھی نشست اتوار ۸ر نومبر کو شام کے ۵½ بجے ڈاکٹر اے۔ ایچ۔ عابدی صدر شعبہ فارسی دلی یونیورسٹی کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں یوسف کمال بخاری صاحب نے نواب واجد علی شاہ کے جمشید بیگم کے نام غیر مطبوعہ خطوط کے ایک قلمی مخطوطے کے متعلق اپنا معلوماتی مقالہ سنایا۔ آپ کے بعد سالک دہلوی، نظمی سکندر آبادی، امیر آغا، راغب بچھرایونی، عنوان چشتی منگلوری، اسلم پرویز، گلزار دہلوی اور طالب دہلوی نے اپنے تازہ کلام سے مستفیض کیا۔ آخر میں ڈاکٹر عابدی صاحب صدر جلسہ نے انجمن کی خدمات کو سراہا اور نشست کی کامیابی کی تعریف فرمائی۔

(جنرل سکریٹری انجمن تعمیر اردو دلی)

شامِ غزل

انجمن ترقی اردو شاخ کھنڈوہ کے زیرِ اہتمام مورخہ ۵ر نومبر کو ایک عظیم الشان مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ مشاعرہ کی صدارت کے فرائض جناب کوثر چاندپوری صدر مدھیہ پردیش ریاستی انجمن ترقی اردو بھوپال کو سونپے گئے۔ مشاعرہ سے پہلے ایک جلسہ بھی ہوا جس کا افتتاح جناب سید مسعود علی صاحب ایڈوکیٹ نے فرمایا۔ اور آغاز محترم ڈاکٹر خورشید احمد صاحب صدیقی نے کھنڈوہ اور اطراف میں اردو کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے کیا۔ اس کے بعد صدر محترم کوثر چاندپوری نے اردو کی اہمیت اور کل ہند کانفرنس کی تجاویز سے متعلق تقریر کی۔ اس کے بعد حضرت شعری بھوپالی نے مشاعرہ کا آغاز کیا۔ ان کے بعد مقامی شعراء کے ساتھ ساتھ جناب نور اندوری، رفعت الحسینی، محمود دررانی، عزیز اندوری، فرحت کاکوروی اور نشور واحدی نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ (حسن شبیر سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند کھنڈوہ)

شکایات

محکمۂ ڈاک و تار میں اردو کی پوزیشن

مکرمی، میں آپ کے روزنامہ قومی آواز کے ذریعہ محبانِ اردو اور محکمۂ تار و ڈاک کی توجہ ڈاک خانہ رام نگر ضلع بارہ بنکی کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں ـــ یہاں اس وقت کوئی بھی ملازم ایسا نہیں ہے جو اردو سے بخوبی واقف ہو، نتیجہ یہ ہے کہ اردو میں خطوط یا منی آرڈر وغیرہ کی تقسیم کا انتظام نہایت کس مپرسی کے عالم میں ہے ۲۲ر اکتوبر کو میں ایک سو پچاس روپیہ منی آرڈر کرنے آیا۔ منی آرڈر فارم اردو میں بھرا ہوا تھا، ڈاک خانے کے بابو (جو اس وقت پوسٹ ماسٹر کا کام انجام دے رہے ہیں) بولے کہ آئندہ منی آرڈر فارم ہندی یا انگریزی میں لایا کرو یہاں اردو کوئی نہیں جانتا ہے میں نے کہا جناب کم از کم محکمۂ ڈاک کے افسروں کو اردو تو جاننا ہی چاہیے۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ اب جو بھی اس محکمہ میں آتا ہے وہ اردو نہیں جانتا اسی لیے ان لوگوں کے خطوط وغیرہ اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے ہیں۔

چناں چہ میں اردو دوستوں سے اور محترم جناب صدر انجمن ترقی اردو ہند سے التماس کرتا ہوں کہ وہ محکمۂ تار و ڈاک کے افسران کی توجہ اس طرف دلائیں کہ کم سے کم ایسے باشعور محکمہ میں تو ملازمین کی علمی لیاقت میں ہائی اسکول یا جونیر ہائی اسکول اردو میں پاس کرنا ضروری قرار دے دیں آخر میں میں اپنے تمام محبانِ اردو سے ملتجی ہوں کہ آئندہ اپنے خطوط چاہے جس زبان میں لکھیں لیکن پتہ صرف اردو میں لکھیں جس سے اس محکمہ کے بابو صاحبان کی غلط فہمی دور ہو جائے کہ اردو ایک غیر ضروری اور استعمال میں نہ آنے والی زبان ہے۔

محمد عمر خاں، لیکچرر، یون ایچ۔ انٹر کالج۔ رام نگر۔ ضلع بارہ بنکی یوپی۔

(منقول از قومی آواز لکھنؤ)

عثمانیہ یونیورسٹی اردو فورم کا اجلاس

عثمانیہ یونیورسٹی اردو فورم کا ماہانہ اجلاس ۸ر نومبر ۱۹۹۲ء یکشنبہ کے روز نظام کالج میں منعقد ہوا۔ یونیورسٹی کے معاون اور ملحقہ کالجوں کے اساتذۂ اردو نے شرکت کی۔ ڈاکٹر بھگوان چند تلنگ صدر شعبۂ ہندی اورنگ آباد یونیورسٹی، اور ڈاکٹر راج کشور پانڈے، شعبۂ ہندی عثمانیہ یونیورسٹی نے خصوصی مہمانوں کی حیثیت سے شرکت کی۔ دکن کے ممتاز مورخ اور دکنیات کے عالم پروفیسر عبدالمجید صدیقی نے اجلاس کی صدارت کی ڈاکٹر غلام عمر خاں نے "غواصی کی غیر مطبوعہ مثنوی 'مینا ستونتی'" پر مقالہ پڑھا۔ عبداللہ قطب شاہ کے عہد کے ملک الشعرا غواصی کی یہ مثنوی، ہندوستانی اصل کی ایک قدیم پریم کتھا پر مبنی ہے، جو عہد دکنی میں شمالی ہند میں نہایت مقبول تھی، اس قصہ کو چودھویں صدی عیسوی میں مولانا داؤد نے "چنداین" کے نام سے، اور پھر میاں سادھن نے "مینا ست" کے نام سے نظم کیا تھا۔ بعد کو جہانگیر کے عہد میں حمید نامی ایک شاعر نے اسے فارسی میں بھی منتقل کیا۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں، صدر اردو فورم، ڈاکٹر راج کشور پانڈے، ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ اور مسٹر حسینی شاہد نے مباحثے میں حصہ لیا۔ پروفیسر مجید صدیقی نے غواصی کی شاعری کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالی۔

(غلام عمر خاں سکریٹری، اردو فورم)

قمر ساحری کے مجموعۂ کلام ضربِ آتشیں کی رسمِ اجرا

حیدر آباد انجمن ترقی اردو کی جانب سے پہلی نومبر کی شام کو اردو ہال میں منعقدہ ایک جلسہ میں مشہور شاعر قمر ساحری کا مجموعہ کلام "ضربِ آتشیں" پیش کیا گیا۔ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ نے صدارت کی۔ ابتدا میں مولوی حبیب الرحمن معتمد انجمن ترقی اردو نے اپنی تقریر میں اس بات پر مسرت کا اظہار کیا کہ حیدر آبادی شعراء کی تخلیقات یکے بعد دیگرے منظر عام پر آرہی ہیں۔ صدر جلسہ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ نے مصنف کو ضربِ آتشیں کی ایک جلد پیش کی جو "بزم سعدی" کی جانب سے شائع ہوئی ہے۔ اس مجموعہ کی قیمت ۶ روپے ۵۰ نئے پیسے ہے ڈاکٹر گوڑ نے کہا کہ قمر ساحری ترقی پسند دور اور تحریک کے ساختہ پرداختہ شاعر ہیں۔ شاعری میں تکنک اور روایتی اصولوں کی پابندی کے متعلق طویل بحث کرتے ہوئے روایت شکنی کو انھوں نے جائز قرار دیا ڈاکٹر گوڑ نے کہا کہ اردو تعلیم کے ناقص انتظام کی وجہ سے طلباء میں ذوقِ ادب کا فقدان ہے جس کے نتیجہ میں اچھی اور ادبی کتابیں فروخت نہیں ہو پا رہی ہیں۔ اس کی وجہ سے اچھے شاعروں اور ادیبوں کی ہمت شکنی ہوتی ہے۔ مسٹر سرخواس لاہوٹی کے شکریہ پر یہ تقریب اختتام کو پہونچی۔

(سیاست حیدر آباد)

مضامین

مضامین، مراسلات وغیرہ "ہماری زبان" کو ارسال کرتے وقت یہ ملحوظ رکھیں کہ کاغذ کے ایک طرف لکھیں۔

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوایا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا۔